© rasailojaraid.com

رویتِ باری تعالیٰ

(فرقۂ مہدویہ کے عقیدہ کا جائزہ)

جناب سید عبد القادر (امریکہ)

پانچ چھ سو سال قبل کی بات ہے، علاقہ جون پور (یوپی) کے ایک بزرگ نے جنھیں سید محمد جون پوری کہا جاتا ہے، دعویٰ مہدیت کیا تھا، جسے عامۃ المسلمین نے تو رد کر دیا لیکن کچھ لوگوں نے اسے قبول بھی کر لیا تھا، جن کی باقیات کے طور پر ایک فرقہ مہدویہ آج بھی موجود ہے۔ ان بزرگ کی قرآنی علمی قابلیت کا بڑا شہرہ تھا۔ تاریخوں میں لکھا ہے کہ بالکل نوجوانی کے زمانہ میں (دعویٰ سے قبل) انہیں اسد العلماء کا خطاب دیا گیا تھا۔ یہ بزرگ اپنی دعوتی مہم کے سلسلہ میں افغانستان تک پہنچ گئے تھے جہاں علاقہ فراہ میں ان کا مزار ہے جو وہاں مرجعِ خلائق بتایا جاتا ہے، اگرچہ فرقۂ مہدویہ کا وہاں کوئی اثر نہیں ہے۔ اس فرقہ کے افراد کی کثیر تعداد شہر حیدرآباد (A.P.) میں اور کچھ گجرات کے علاقوں میں رہتی ہے۔ غالباً معدودے چند پاکستان میں بھی ہیں جو بوقت تقسیم ہند وہاں منتقل ہو گئے تھے۔ حیدرآباد کی ایک مشہور ہستی نواب بہادر یار جنگ کا نسبی تعلق اسی فرقہ سے تھا۔ آزادئ ہند کی جدوجہد کے زمانے میں نواب صاحب کل ہند ریاستی مسلم لیگ کے صدر تھے اور مسٹر جناح کے دستِ راست سمجھے جاتے تھے۔ اس فرقہ کے عقائد میں تصوف کا بڑا دخل ہے۔ جون پوری بزرگ کو خاتم الولایت مانا جاتا ہے، نیز ولایت کو نبوت سے اور طریقت کو شریعت سے افضل سمجھا جاتا ہے۔ فرائضِ ولایت کے نام سے جو تعلیم دی جاتی ہے اس میں ذکرِ دوام، صحبتِ صادقان، طلبِ دیدارِ خدا اور ترکِ دنیا جیسی باتیں شامل ہیں، اگرچہ کسب و اکلِ حلال اور آمدنی کے دسویں حصہ کی ادائی بنام عشر پر بھی زور دیا جاتا ہے لیکن دوسری طرف عام مسلمانوں کو مخالفین یا منکرین کے نام سے یاد کیا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جاتا ہے اور اُن کی امامت میں نماز ادا کرنے کو ناجائز قرار دیا جاتا ہے۔ شادی بیاہ کے تعلقات بھی ناجائز سمجھے جاتے ہیں۔ اگرچہ آج کل ان باتوں کی پابندی زیادہ نہیں ہورہی ہے پھر بھی بعض کٹر مہدوی مشایخ جب کسی کو اپنا مرید کرتے ہیں تو جو باتیں اس موقع پر تلقین کی جاتی ہیں ان میں ایک بات یہ ہوتی ہے کہ "مانا سو مومن، نہیں مانا سو کافر" ماننے سے مراد سید محمد جون پوری کو مہدی علیہ السلام ماننا ہوتا ہے۔ دوسری بات جو تلقین کی جاتی ہے وہ ذکر اللہ کی ہے لیکن اس کے الفاظ یہ ہوتے ہیں: "الا اللہ توں ہے میں نہیں" حال ہی میں ان کے مشایخ نے ایک نیا شوشہ یہ چھوڑا ہے کہ حضرت مہدی ہمسرِ رسول اللہ ہیں۔ ان مشایخ میں وہ لوگ تک شامل ہیں جو جامعہ نظامیہ حیدرآباد (سنی دینی جامعہ) سے مولوی کامل کا امتحان پاس کرچکے ہیں اور جنھیں مولوی کامل کہا جاتا ہے۔ دو تین مشایخ نے اس کی مخالفت کی تو ان کا بائیکاٹ کر رکھا ہے۔ اس طرح ان میں اب دو گروہ بن گئے ہیں۔

مہدوی عقائد کے خلاف سابق میں جو کتابیں شائع ہوئی ہیں ان کا انداز جارحانہ تنقیدی اور بعض دفعہ اس سے بڑھ کر دشنام طرازی تک کا رہا ہے۔ میں کم از کم ایک ایسی کتاب کا حوالہ دے سکتا ہوں جس کا نام "ہدیۂ مہدویہ" تھا۔ لکھنے والے حیدرآباد ہی کے ایک سنی عالم زماں خاں تھے جنھیں ایک مہدوی نوجوان نے جوان کا شاگرد تھا اپنے مشایخ کے اشارے پر قتل کردیا تھا۔ یہ تقریباً ڈیڑھ سو سال پہلے کی بات ہے۔ مہدوی عقائد کے مطابق فرائضِ ولایت میں ایک فریضہ طلبِ دیدارِ خدا کا شامل ہے جس کا مطلب یہ بتایا جاتا ہے کہ دیدارِ خدا دارِ دنیا میں نہ صرف ممکن ہے بلکہ قرآنی آیات کے مطابق فرض ہے۔ حال ہی میں ایک مہدوی شیخ اور عالم سید محمد عرف روشن میاں صاحب نے قرآن مجید کی ایک تفسیر تین جلدوں میں مرتب کر کے شائع کی ہے جس کا نام ہے "تبیین القرآن"۔ اس تفسیر میں دیدارِ خدا کی فرضیت اور بعض دوسری باتیں عقیدۂ مہدویت سے متعلق ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ چونکہ یہ باتیں تفسیر میں آگئی ہیں اس لیے ان پر محاکمہ کی شدید ضرورت ہے۔ اسی مقصد سے یہ مضمون میں نے بالکل مثبت انداز میں مرتب کیا ہے۔ سہ ماہی تحقیقاتِ اسلامی علی گڑھ میں اسے جگہ مل سکے تو بڑی خوشی ہوگی۔ (سید عبدالقادر)

مسلمانوں میں بہت کم فرقے ایسے ہیں جو اس دنیا کی زندگی میں سر کی آنکھوں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے اللہ تعالیٰ کی ذات کو دیکھنے یعنی دیدارِ خدا کے قائل ہوں۔ لیکن کم از کم ایک فرقہ ایسا ضرور ہے جو نہ صرف اس امر کا قائل ہے بلکہ دیدارِ خدا کی طلب کو دینی فرائض کی طرح ایک فریضہ قرار دیتا ہے۔ جب طلب فرض ہو تو اس کی کوشش بھی فریضہ میں شامل ہو گئی۔ یہ کون سا فرقہ ہے اس کی صراحت یہاں ضروری نہیں۔ البتہ یہ غور کرنے کی ضرورت ہے کہ آیا دیدارِ خدا ممکن ہے؟ جہاں تک اس مسئلہ کا تعلق ہے اس پر تین پہلوؤں سے گفتگو کی جا سکتی ہے۔ ایک عقلی اعتبار سے دوسرے احادیثِ رسولؐ کی روشنی میں اور تیسرے قرآنی آیات کی رو سے۔

جہاں تک عقلی اعتبار کا تعلق ہے، جو بات سب سے پہلے ذہن میں آتی ہے وہ یہ ہے کہ انسانی آنکھ تو صرف مادّی اشیاء کو دیکھ سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات مادّے سے وراء الوراء ہے، اسے کوئی نسبت مادّے سے نہیں دی جا سکتی۔ اللہ تعالیٰ کی ذات تو بہت دور کی بات ہے، انسانی آنکھ خود دنیا کی بعض ان چیزوں کو نہیں دیکھ سکتی جن کا تعلق مادّہ ہی سے ہے۔ مثلاً آگ کے انگارے کو تو دیکھا جا سکتا ہے لیکن اس کے اندر جو حرارت پوشیدہ ہوتی ہے اسے محسوس تو کیا جا سکتا ہے لیکن دیکھا ہرگز نہیں جا سکتا۔ اسی طرح برقی رَو کا حال ہے جو دھاتی تاروں کے اندر دوڑتی ہے اور جو صرف ہاتھ لگانے پر ایسا جھٹکا دیتی ہے کہ بعض دفعہ اس جھٹکے سے موت واقع ہو جاتی ہے۔ لیکن بظاہر برقی تار بالکل دوسرے سادہ تاروں کے مانند نظر آتا ہے۔ مگر اس کے اندر جو برقی رَو دوڑتی ہے، کوئی بھی دعویٰ نہیں کر سکتا کہ وہ اس کو دیکھ سکتا ہے۔ ہوا جو خالص مادّی گیسوں (Gases) پر مشتمل ہے اسے بھی نہیں دیکھا جا سکتا، صرف اس وقت محسوس کیا جا سکتا ہے جب وہ جسم کے کسی حصہ سے ٹکرائے۔ اس طرح کی بہت سی مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں۔ سائنسی تحقیقات جیسے جیسے ترقی کر رہی ہیں، مختلف قسم کی امواج Waves یا Rays کا انکشاف ہوتا جا رہا ہے جن کا سابقہ دور میں کوئی تصور نہیں کیا جا سکتا تھا۔ مثلاً ایکس ریز (X-Rays) جن کی کئی اقسام ہیں۔ ان سے سائنسی آلات کے ذریعہ کام تو لیا جاتا ہے مگر انہیں آنکھوں سے دیکھا نہیں جا سکتا۔ ان چند مثالوں سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ جو آنکھ ان مادّی چیزوں تک کو نہیں دیکھ سکتی وہ اللہ تعالیٰ کی ذات کا مشاہدہ کیسے کر سکتی ہے جب کہ اللہ تعالیٰ کے بارے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں فرمایا گیا ہے لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْءٌ یعنی اس جیسی کوئی چیز نہیں۔ آنکھ تو صرف کسی چیز کو دیکھ سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات جب کسی چیز جیسی نہیں ہے تو پھر اسے آنکھ سے دیکھ سکنے کا سوال ہی کہاں پیدا ہوتا ہے؟ یہ تو ہوا عقلی اعتبار سے دیدارِ خدا کے مسئلہ کا جائزہ۔ اب احادیث کو لیں۔

۱۔ صحیح بخاری کتاب التفسیر میں مندرج ایک حدیث کی ترجمانی یہ ہے:

"حضرت مسروقؒ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ میں نے حضرت عائشہؓ سے عرض کیا" اماں جان! کیا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا تھا؟" انھوں نے جواب دیا" تمہاری اس بات سے میرے رونگٹے کھڑے ہوگئے۔ تم یہ کیسے بھول گئے کہ تین باتیں ایسی ہیں جن کا اگر کوئی شخص دعویٰ کرے تو اس نے جھوٹا دعویٰ کیا۔ (پہلی بات حضرت عائشہؓ نے فرمائی کہ) جو شخص تم سے کہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا تھا وہ جھوٹ کہتا ہے۔" پھر انھوں نے یہ آیت پڑھی (ترجمانی) "نگاہیں اس کو نہیں پا سکتیں وہ نگاہوں کو پالیتا ہے۔" اور "کسی بشر کا یہ مقام نہیں کہ وہ اس سے کلام کرے مگر یا تو وحی کے طور پر، یا پردے کے پیچھے سے، یا ایک فرشتہ بھیجے اور وہ اس سے کلام کرے جو چاہے" پھر انھوں نے کہا: " جو تم سے کہے کہ وہ علم رکھتے تھے کہ کل کیا ہونے والا ہے تو اس نے جھوٹ کہا" پھر انھوں نے (یہ آیت) پڑھی: (ترجمانی) "کوئی شخص نہیں جانتا کہ وہ کل کیا کرے گا" پھر انھوں نے کہا: "جو شخص تم سے کہے کہ انھوں نے کچھ چھپایا تو اس نے یقیناً جھوٹ کہا" پھر انھوں نے (یہ آیت) پڑھی (ترجمانی) "اے رسولؐ! پہنچا دو جو کچھ تم پر نازل کیا گیا ہے (آخر آیت تک)" (پھر فرمایا) "لیکن انھوں نے جبریلؑ کو دو مرتبہ ان کی اصلی صورت میں دیکھا۔"

۲۔ راویوں کے ایک دوسرے سلسلہ سے حضرت مسروقؒ ہی سے مروی ایک اور روایت صحیح بخاری، کتاب التوحید میں آئی ہے، جس کی ترجمانی درج ذیل ہے:

"حضرت مسروقؒ سے مروی ہے کہ حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ جو شخص

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تجھ سے یہ کہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا تو وہ جھوٹ کہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے کہ اسے نگاہیں نہیں پا سکتیں اور جو شخص تجھ سے یہ کہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غیب جانتے ہیں تو وہ جھوٹ کہتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اللہ کے سوا کوئی غیب نہیں جانتا۔"

۳۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان میں جو حدیث اس موضوع پر آئی ہے اُس کی ترجمانی درج ذیل ہے:

"حضرت ابوذر غفاریؓ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ کیا آپ نے اپنے رب کو دیکھا؟ حضورؐ نے جواب میں فرمایا: "وہ نور ہے میں اسے کیسے دیکھ سکتا ہوں" اور ایک روایت میں ہے کہ "میں نے نور دیکھا ہے۔"

۴۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان ہی میں ایک اور روایت یہ آئی ہے:۔

"عبداللہ بن شقیقؓ سے مروی ہے کہ میں نے ابوذرؓ سے عرض کیا کہ اگر مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار نصیب ہوتا تو میں ان سے ضرور پوچھ لیتا۔ ابوذرؓ نے کہا کس چیز کے بارے میں پوچھتے؟ میں نے بتایا کہ میں آپؐ سے پوچھتا کہ آیا آپؐ نے اپنے رب کو دیکھا ہے؟ ابوذرؓ نے جواب دیا کہ میں نے اس بارے میں آپؐ سے پوچھا تھا تو آپؐ نے فرمایا تھا "میں نے نور دیکھا تھا۔"

اس روایت سے یہ شبہ نہ ہونا چاہیے کہ حضورؐ کا یہ جواب کہ "میں نے نور دیکھا تھا" گویا کہ خود اللہ تعالیٰ کو دیکھنے کے مماثل ہے، کیونکہ اس سے پیشتر والی حدیث میں خود حضورؐ کی طرف سے یہ صراحت کر دی گئی ہے کہ آپؐ نے فرمایا "میں کیسے دیکھ سکتا ہوں"، مطلب یہ کہ آپؐ نے اللہ کو نہیں دیکھا۔ نور کو دیکھنے کی تشریح علامہ ابن قیمؒ نے اپنی کتاب زاد المعاد میں اس طرح فرمائی ہے کہ نور آپؐ کے اور اللہ کے درمیان حائل تھا، اس لیے آپؐ کے فرمان کا مطلب یہ ہے کہ آپ نے اللہ کو نہیں، بلکہ صرف نور کو دیکھا۔

۵۔ ابن مردویہ نے حضرت مسروقؒ ہی کی ایک روایت کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(ترجمانی) حضرت عائشہؓ نے فرمایا: "میں نے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سب سے پہلے پوچھا تھا کہ کیا آپؐ نے اپنے رب کو دیکھا، حضورؐ نے جواب دیا: نہیں میں نے تو جبرئیلؑ کو (آسمان سے) اترتے دیکھا۔

(روح المعانی جلد ۲۷)

جبرئیلؑ کو دیکھنے کی اور کئی روایتیں آئی ہیں جن میں سے چند کا ذکر آگے آتا ہے۔

۶۔ نور کے سلسلہ میں، جس کا ذکر اوپر حدیث ۳ و ۴ میں آیا ہے، ایک اور بات قابلِ غور ہے۔ وہ یہ کہ نور بہر حال ایک شے ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات قرآن مجید میں لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ بتائی گئی ہے یعنی اس کی طرح کوئی شے نہیں، وہ ہر شے سے الگ ہے۔ لہٰذا حضورؐ کے اس ارشاد کا کہ آپؐ نے نور کو دیکھا، مطلب یہی نکلتا ہے کہ ایک شئے آپؐ کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان حائل تھی۔ اس امر کی مزید وضاحت صحیح مسلم، کتاب الایمان ہی میں مندرج ایک اور حدیث سے ہوجاتی ہے۔

حضرت ابو موسیٰؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک روز ہمارے درمیان کھڑے ہوئے اور پانچ باتیں فرمائیں۔ فرمایا "لاریب اللہ تعالیٰ کو نیند لاحق نہیں ہوتی اور سوجانا اس کی شایانِ شان بھی نہیں۔ وہی میزانِ عدل کو نیچے اور اوپر کرتا ہے۔ انسانوں کے رات کے عمل دن سے پہلے اور دن کے عمل رات سے پہلے اس کے حضور پیش کردیے جاتے ہیں اور اس کا پردہ نور ہے" اور ابو بکر کی روایت میں ہے کہ "اس کا پردہ آگ ہے، اگر وہ اس پردے کو ہٹادے تو اس کے چہرے کی شعاعیں مخلوق کو جلا کر خاکستر کردیں، جہاں تک اس کی نگاہ پہنچے۔"

مذکورہ تمام احادیث سے یہ بات ثابت ہوجاتی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کو اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا۔ جب خود آپؐ نے نہیں دیکھا تو کسی اور کے لیے کیا امکان رہ جاتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو دنیا میں اپنی آنکھوں سے دیکھ سکے اور جس کو دیکھنا ممکن نہ ہو اس کی طلب کے کیا معنی ہیں؟ ایسی روایتیں البتہ کئی آئی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرئیلؑ کو ان کی اصلی شکل میں دیکھا اور اللہ تعالیٰ کو اپنی قلبی آنکھ سے دیکھا۔ ان میں چند ایسی احادیث بھی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہیں جن میں آنکھ سے دیکھنے کا ذکر بھی ساتھ ساتھ آیا ہے۔ پہلے جبرئیلؑ کو دیکھنے کی روایات ملاحظہ ہوں۔ ایک روایت پہلے ۵ میں گزر چکی ہے۔

۱۔ مسند احمد اور مسند ابی عوانہ کے مطابق:

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جبرئیلؑ کو دو ہی مرتبہ دیکھا ہے، ایک موقع تو وہ تھا جب آپؐ نے (ان سے) فرمایا کہ وہ اپنی اصلی شکل میں سامنے آئیں تو وہ آئے، اس وقت انھوں نے پورے افق کو گھیر رکھا تھا، دوسرا موقع وہ تھا جب آپ اُن کی معیت میں آسمان پر تشریف لے گئے۔

۲۔ جامع ترمذی، ابواب التفسیر اور مسند احمد کے مطابق:

حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ سے مروی ہے کہ انھوں نے "مَا کَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰی" کی تفسیر میں کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جبرئیلؑ کو دبیز ریشم کے حُلّہ میں ملبوس دیکھا کہ وہ آسمان و زمین کے درمیان چھائے ہوئے ہیں۔

۳۔ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، صحیح مسلم، کتاب الایمان اور جامع ترمذی، ابواب التفسیر میں زر بن حبیش کی روایت یہ مذکور ہے کہ:

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فَکَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی کی تفسیر یہ بیان فرمائی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جبرئیلؑ کو اس صورت میں دیکھا کہ اُن کے چھ سو پر تھے۔

۴۔ مسند احمد جلد اوّل میں ایک روایت ہے:

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے وَلَقَدْ رَاٰہُ نَزْلَۃً اُخْرٰی کی تفسیر میں بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میں نے جبرئیل کو سدرۃ المنتہیٰ کے پاس دیکھا، اُن کے چھ سو پر تھے، ہر پر میں یاقوت اور موتیوں کی جھڑی لگی تھی۔"

۵۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان میں ہے:

حضرت ابوہریرۃؓ سے عطاء بن ابی رباح نے وَلَقَدْ رَاٰہُ نَزْلَۃً

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اُخریٰ کا مطلب پوچھا تو انھوں نے جواب دیا حضورؐ نے جبرئیلؑ کو دیکھا تھا۔

۶۔ مسند احمد ہی کی ایک اور روایت جو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "میں نے جبرئیلؑ کو سدرۃ المنتہیٰ پر دیکھا تھا، ان کے چھ سو پر تھے۔" وہ کہتے ہیں کہ میں نے عاصم سے پروں کے بارے میں دریافت کیا تو انھوں نے بتانے سے انکار کر دیا، وہ کہتے ہیں کہ مجھے ان کے ایک ساتھی نے بتایا کہ ایک پر اس قدر بڑا تھا جتنا مشرق و مغرب کے درمیان فاصلہ ہے۔

اس سلسلہ میں اور بھی احادیث ہیں۔

اب ان احادیث کو پیش کیا جاتا ہے جن میں قلبی آنکھ سے دیکھنے کا ذکر آیا ہے۔

۱۔ حضرت محمدؒ ابن کعبؓ سے مروی ہے کہ (لوگوں نے) پوچھا یا رسول اللہ کیا آپ نے اپنے رب کو دیکھا؟ (جواب میں حضورؐ نے) فرمایا: "میں نے اللہ تعالیٰ کو دو مرتبہ اپنے دل سے دیکھا" پھر آپؐ نے آیت مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى پڑھی۔

یہ حدیث ابن ابی حاتم کے حوالہ سے تفسیر ابن کثیر جلد چہارم میں آئی ہے۔

۲۔ نسائی اور ابن ابی حاتم نے حضرت ابوذرؓ کا قول ان الفاظ میں نقل کیا ہے:

"رسول اللہؐ نے اپنے رب کو دل سے دیکھا تھا، آنکھوں سے نہیں دیکھا۔"

۳۔ مسند ابی عوانہ میں عبد بن حمید، ابن المنذر اور ابن ابی حاتم کی متفقہ روایت ہے کہ صحابۂ کرام نے حضورؐ سے پوچھا "یا رسول اللہ کیا آپؐ نے اپنے رب کو دیکھا ہے؟ حضورؐ نے فرمایا:

"میں نے اپنے دل سے دو مرتبہ دیکھا ہے۔ اپنی آنکھ سے نہیں دیکھا"

پھر آیت مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى پڑھی۔

۴۔ جامع ترمذی، ابواب التفسیر میں ہے کہ حضرت عکرمہؒ نے مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى کی تفسیر ابن عباسؓ کے حوالہ سے یہ بیان کی:

"آپ نے اپنے رب کو اپنے دل سے دیکھا تھا۔"

۵۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان کے مطابق:

حضرت عطاء نے ابن عباسؓ کے حوالہ سے بیان کیا کہ آپؐ نے اپنے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

رب کو دیکھا۔

۶۔ ابن مردویہ نے حضرت ابن عباسؓ کے حوالے سے، اسی طرح حضرت ابن مسعودؓ، حضرت ابوہریرہؓ اور احمد بن حنبل نے بھی روایت کیا ہے کہ آپؐ نے اپنے رب کو دل سے دیکھا۔ (اس روایت کا حوالہ نہیں ملا) مذکورہ تمام احادیث مولانا مودودیؒ کی کتاب تفہیم الاحادیث سے لی گئی ہیں۔ اب اُن احادیث کو پیش کیا جاتا ہے جن میں ذکر آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کو اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ یہ سب احادیث صرف حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہیں، لیکن ان سب کی عبارت میں اتنا اختلاف ہے کہ وہ اِن احادیث کی صحت کو مشتبہ بنا دیتا ہے۔ ان کی تفصیل درج ذیل ہے۔

۱۔ روح المعانی جلد ۲۷ اور فتح القدیر جلد ۵ کے مطابق:

طبرانی اور ابن مردویہ نے ابن عباسؓ سے ایک روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دو مرتبہ دیکھا، ایک مرتبہ آنکھوں سے دیکھا اور دوسری مرتبہ دل سے۔

۲۔ مسند احمد میں ابن عباسؓ کی ایک روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"میں نے اپنے رب تبارک وتعالیٰ کو دیکھا"

۳۔ جامع ترمذی تفسیر سورۂ جن میں ہے۔

ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "آج رات میرا رب میرے پاس اپنی بہترین صورت میں آیا"۔ میرا خیال ہے کہ نیند میں (یعنی اللہ تعالیٰ کو آپؐ نے خواب میں دیکھا)۔

۴۔ جامع ترمذی میں حضرت ابن عباسؓ سے منقول دیگر روایات بھی ہیں، ان میں سے ایک میں وہ فرماتے ہیں کہ حضورؐ نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا تھا، دوسری میں فرماتے ہیں دو مرتبہ دیکھا تھا اور تیسری میں ان کا ارشاد یہ ہے کہ آپؐ نے اللہ کو دل سے دیکھا تھا۔

۵۔ امام ابن جریر طبری نے سورۂ النجم کی تفسیر میں نقل کیا ہے۔

ابن عباسؓ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سرفراز کیا (یا چن لیا) ابراہیمؑ کو دوستی (خُلت) کے لیے، موسیٰؑ کو کلام کے لیے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو رویت کے لیے۔

مذکورہ بالا پانچوں حدیثیں حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہیں۔ ان میں جو اختلافات پائے جاتے ہیں وہ ان سب کی صحت کو مشتبہ بنا دیتے ہیں، سوائے اس کے کہ آپؐ نے اپنے رب کو دل سے دیکھا تھا، کیونکہ اس بات کی تصدیق دیگر احادیث سے بھی ہوتی ہے۔ اب یہ بات کہ دل سے دیکھنے کی کیفیت کیا ہوتی ہے تو یہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی جانیں۔ حضرت ابن عباسؓ کے علاوہ کسی اور راوی سے مروی حدیث میں اللہ تعالےٰ کو آنکھوں سے دیکھنے کا ذکر نہیں آیا ہے اور ابن عباسؓ سے مروی تمام متعلقہ احادیث ایک دوسرے سے متضاد ہیں۔

لہٰذا احادیث کے ذریعہ یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کو آنکھوں سے دیکھا تھا اور جب آپؐ نے نہیں دیکھا تو کسی اور کے لیے کیا گنجائش باقی رہ جاتی ہے کہ وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ سکے۔ یہاں اس حدیث کا ذکر کر دینا بھی مناسب ہوگا جس میں کہا گیا ہے کہ "اللہ کی بندگی اس طرح کرو گویا تم اس کو دیکھ رہے ہو اور اگر نہیں دیکھ سکتے تو (یہ سمجھو کہ) وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔" اس حدیث کے پہلے حصہ میں یہ نہیں کہا گیا ہے کہ اللہ کو دیکھ کر اس کی بندگی کرو، جیسا کہ سمجھا جانے لگا ہے، بلکہ یہ کہا گیا ہے کہ گویا تم دیکھ رہے ہو۔ اس کا مطلب صاف طور پر یہ ہے کہ جب کسی بڑی ہستی کا سامنا ہوتا ہے تو آدمی کی کیا کیفیت ہوتی ہے، اُس کیفیت کو اپنے اوپر طاری کر کے اللہ کی بندگی کرو۔ یہ کیفیت کیا ہوتی ہے اس کا اندازہ ہر وہ شخص کر سکتا ہے جو کسی سرکاری محکمہ میں ملازم ہو اور اس محکمہ کا افسر اعلیٰ اس وقت اس کے سامنے آ جائے جب وہ اپنی ڈیوٹی ٹھیک طور سے انجام دینے کے بجائے گپ شپ میں وقت گزار رہا ہو۔ یہ ایک ایسی کیفیت ہے جس میں خوف شامل ہوتا ہے جو اگر کسی پر طاری ہو جائے تو وہ غیر معمولی حد تک محتاط بن جاتا ہے کہ تاکہ کوئی غلطی سرزد ہونے پائے اور نہ ادائیگی فرائض میں کوتاہی رہ جائے۔ اسی کیفیت کو قرآن مجید میں 'خشیت' سے تعبیر کیا گیا ہے۔ سورۃُ النساء ۷۷ میں ان لوگوں کے بارے میں جو فرائضِ دینی کی ادائی سے کتراتے ہیں، کہا گیا ہے کہ جب ان پر جہاد فرض کیا گیا تو وہ (فریقِ مقابل کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لوگوں سے ایسا ڈرتے ہیں جیسا کہ اللہ سے ڈرنا چاہیے بلکہ اس سے بھی زیادہ۔ کَخَشْیَۃِ اللّٰہِ اَوْ اَشَدَّ خَشْیَۃً دیگر کئی مقامات پر لفظ خشیۃ یا اس کے مشتقات دیکھے جا سکتے ہیں۔ غرض اس حدیث سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ دیدارِ خدا ممکن ہے یا اس کی کوشش کرنی چاہیے۔

آیئے اب قرآن مجید کی طرف رجوع کیا جائے۔

دیدارِ خدا کی تائید میں جو آیت شد و مد کے ساتھ پیش کی جاتی ہے وہ سورۂ بنی اسرائیل کی آیت ۷۲ ہے۔ مَنْ كَانَ فِي هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى یعنی "جو اس (دنیا) میں اندھا رہا وہ آخرت میں بھی اندھا رہے گا"۔ آخرت میں اندھا ہونے کی کیفیت کیا ہو گی اس کو تو ہم نہیں جان سکتے۔ جہاں تک دنیا میں اندھا ہونے کا تعلق ہے، قرآن مجید کی دیگر آیات سے اس کے صرف دو مفہوم سامنے آتے ہیں۔ ایک تو وہی عام مفہوم یعنی بینائی یا بصارت سے محرومی، دوسرے بصیرت یا راہِ راست پانے سے محرومی۔ دونوں کی مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔

۱۔ سورہ ہود ۲۴۔ اس سے پہلے کی آیات میں اہلِ جنت اور آخرت میں نامراد ہونے والوں کا تذکرہ کرتے ہوئے اس آیت میں کہا گیا ہے: مَثَلُ الْفَرِيْقَيْنِ كَالْاَعْمٰى وَالْاَصَمِّ وَالْبَصِيْرِ وَالسَّمِيْعِ۔ "دونوں فریقوں کی حالت ایسی ہے جیسے ایک اندھا و بہرا اور دوسرا وہ جو دیکھتا بھی ہو اور سنتا بھی ہو۔" اس آیت میں الاعمیٰ سے مراد صاف طور پر "اندھا" ہے یعنی بصارت سے محروم۔

۲۔ سورہ النور ۶۱: اس آیت میں چند لوگوں کا ذکر کر کے کہا گیا ہے کہ یہ سب کن کن گھروں سے کھا سکتے ہیں۔ اس تفصیل میں سب سے پہلے الاعمیٰ اور الاعرج کا ذکر ہے یعنی اندھا اور لنگڑا۔ یہاں بھی الاعمیٰ سے مراد عام اندھے کے سوائے اور کچھ لینے کی گنجائش نہیں ہے۔

۳۔ سورہ الفتح ۱۷: اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ خواہ کوئی اندھا ہو یا لنگڑا یا مریض، جو بھی اللہ و رسولؐ کی اطاعت کرے گا جنت میں داخل کیا جائے گا۔ یہاں بھی اندھے سے مراد بصارت سے محروم شخص ہے۔ اس طرح کی اور بھی آیات ہیں۔ اب ان آیات کو پیش کیا جاتا ہے جن میں لفظ الاعمیٰ اور اس کے مشتقات دوسرے مفہوم میں آئے ہیں۔

(۱) سورہ الرعد ۱۹: اَفَمَنْ يَّعْلَمُ اَنَّمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ الْحَقُّ كَمَنْ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ھُوَ اَعْمٰی ؕ یعنی "کیا وہ (شخص) جو جانتا ہو کہ جو کچھ آپؐ کے رب کی طرف سے نازل ہوا ہے حق ہے اس کی طرح ہوسکتا ہے جو اندھا ہو" یہاں اندھے سے مراد عام اندھا نہیں ہے بلکہ وہ ہے جو قرآنی ہدایت سے بے بہرہ ہے۔ اس مفہوم کی تصدیق ماقبل کی آیت ۱۸ اور مابعد کی آیات ۲۰-۲۲ سے ہوتی ہے۔

۲۔ سورۃ النمل ۸۱: وَمَآ اَنْتَ بِھٰدِی الْعُمْیِ عَنْ ضَلٰلَتِھِمْ ؕ یعنی "اور آپ اندھوں کو ان کی گمراہی سے (بچاکر) ہدایت دینے والے نہیں ہیں"۔ اس آیت میں اندھوں سے مراد آنکھوں کے اندھے نہیں ہیں کیونکہ سورہ عَبَسَ کے مطابق ابن ام مکتوم جو نابینا تھے ہدایت پانے والوں میں شامل تھے۔ یہاں وہ لوگ مراد ہیں جو گمراہی میں پڑکر راہِ راست دیکھنے سے اندھے بن گئے ہیں نہ کہ دیدارِ خدا سے محروم۔

۳۔ بالکل وہی الفاظ جو اوپر کی آیت میں آئے ہیں سورہ الروم کی آیت ۵۳ میں بھی آئے ہیں، ان کا مفہوم بھی وہی ہے۔

۴۔ الزخرف ۴۰: اَفَاَنْتَ تُسْمِعُ الصُّمَّ اَوْ تَھْدِی الْعُمْیَ وَمَنْ کَانَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ؕ یعنی "کیا آپ (ایسے) بہروں کو سنا سکتے ہیں یا (ایسے) اندھوں کو ہدایت دے سکتے ہیں جو صریح گمراہی میں (پڑے ہوئے) ہیں"۔ اس آیت میں اگرچہ بہروں واندھوں سے عام بہرے واندھے مراد لینے کی بھی گنجائش ہے، لیکن سیاق وسباق کے لحاظ سے اقرب الی الصّواب مفہوم وہی ہے جو اوپر کی تین آیات میں بتایا گیا ہے۔ دیدارِ خدا کی طرف اس آیت میں کوئی اشارہ بھی نہیں ملتا۔ اس طرح کی جتنی بھی آیات ہیں جن میں لفظ اعمٰی یا اس کے مشتقات میں سے کوئی بھی لفظ آیا ہو ان سب میں اندھے پن کا مفہوم راہِ ہدایت سے بھٹکنے ہی کا نکلتا ہے نہ کہ دیدارِ خدا سے محرومی کا۔ لہٰذا کوئی وجہ نہیں ہے کہ مَنْ کَانَ فِیْ ھٰذِہٖٓ اَعْمٰی سے دنیا میں دیدارِ خدا سے محرومی کا مطلب اخذ کیا جائے یہاں بھی اعمٰی سے مراد وہی لوگ ہیں جو راہِ ہدایت سے بہرہ یاب نہیں یہی بات حضرت ابن عربیؒ کی اس تفسیر سے مترشح ہوتی ہے جو اس آیت کے سلسلہ میں بتائی جاتی ہے۔ اُن کے الفاظ یہ نقل کیے گئے ہیں اَعْمٰی عَنِ الاھتداء الی الحق (ملاحظہ ہو تفسیر تبیین القرآن صفحہ ۶۰۲) یعنی "(مراد) حق کی ہدایت (پانے کی طرف) سے اندھا" نہ کہ اللہ کے دیدار سے محروم۔ مذکورہ بحث سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ فِیْ ھٰذِہٖ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اعمیٰ سے دیدارِ خدا سے محرومی کا مطلب نکالنا صحیح نہیں ہے۔ بالخصوص جب کہ اس آیت کے سیاق و سباق میں کوئی شائبہ بھی اس امر کا موجود نہیں ہے جو دنیا میں دیدارِ خدا کی طرف اشارہ کرتا ہے، بلکہ یہاں بھی وہی مراد نکلتی ہے جو النمل ع۸۱ اور الروم ع۵۳ سے واضح ہے۔ یعنی راہِ ہدایت پانے سے محرومی۔ جب قرآن مجید کی وہ تمام آیات (سوائے بنی اسرائیل ع۷۲) جن میں لفظ اعمیٰ آیا ہے، دیدارِ خدا سے محرومی کے مفہوم کو پیش نہیں کرتی ہیں تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ صرف اسی ایک آیت کے لفظ اعمیٰ کو دیدارِ خدا سے محرومی کا مفہوم پہنایا جائے۔

اب لفظ بصیرت کو لیا جاتا ہے جو قرآن مجید میں صرف دو مقامات پر آیا ہے، ان میں سے ایک سورہ یوسف کی آیت ع۱۰۸ ہے جسے رویت باری تعالٰے کے جواز میں پیش کیا جاتا ہے۔ اس آیت میں ایک طرف لفظ بصیرۃ کے معنیٰ خدا بینی بیان ہوئے ہیں اور دوسری طرف مَنِ اتَّبَعَنِي کو تابعِ تام و تابعِ عام میں تقسیم کر کے ایک بزرگ کو تابعِ تام قرار دے کر انہیں ہمسرِ رسولؐ قرار دیا جاتا ہے۔ لہٰذا ان دونوں نکات کا تجزیہ بھی ضروری ہے۔ لفظ بصیرۃ سورہ یوسف کے علاوہ صرف سورہ القیٰمۃ کی آیت ع۱۴ میں آیا ہے جو یہ ہے: بَلِ الْإِنسَانُ عَلَىٰ نَفْسِهِ بَصِيرَةٌ ۝ اس آیت سے پہلے یوم قیامت سے متعلق چند باتوں کا تذکرہ کرنے کے بعد آیت ع۱۳ میں فرمایا گیا ہے کہ اس روز انسان کو اس کا اگلا پچھلا یعنی جو کچھ اس نے پہلے کیا اور بعد میں کیا، سب بتلا دیا جائے گا۔ اس کے بعد زیرِ بحث آیت ع۱۴ میں کہا گیا ہے۔ "مگر انسان تو خود اپنی حالت پر بصیرہ رکھنے والا ہوگا" یعنی وہ یقین کی حد تک جانتا ہوگا کہ اس کے کارنامے کیا کیا رہے ہیں۔ آخرت میں اس کے انجام کا فیصلہ صرف اسے یہ بتا دینے پر ہی موقوف نہیں ہوگا کہ اس کے جرائم کیا کیا رہے ہیں، بلکہ وہ خود بھی اس سے واقف ہوگا۔ اس لیے گویا اُسے معاف نہیں کیا جائے گا، خواہ وہ عذاب سے بچنے کے لیے کتنے ہی حیلے پیش کرے جیسا کہ اگلی آیت ع۱۵ میں اس کا ذکر ہے۔ ان آیات کی روشنی میں یہ سمجھنا دشوار نہیں کہ بصیرۃ سے مراد کسی معاملہ میں یقین کی حد تک واقفیت ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ سورہ یوسف ع۱۰۸ کے دوسرے فقرے عَلَىٰ بَصِيرَةٍ أَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِي میں بصیرۃ سے مراد کس بات کا یقین ہے اور مَنِ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اَتَّبَعَنِی کے مَنْ سے مراد کون ہیں۔ اگر اَتَّبَعَنِی کے مفہوم کو قرآن مجید ہی سے سمجھ لیا جائے تو نہ صرف عَلٰی بَصِیْرَۃٍ کو سمجھنا آسان ہو جائے گا بلکہ مَنْ سے مراد کون ہیں یہ بھی معلوم ہو جائے گا۔ فقرہ مَنِ اتَّبَعَنِی میں دو باتیں غور طلب ہیں۔ ایک تو یہ کہ لفظ مَنْ واحد کسی مخصوص شخص کے لیے آیا ہے یا جمع کے لیے اور دوسرے یہ کہ اَتَّبَعَنِی میں تابع تام اور تابع عام تقسیم کی گنجائش ہے یا نہیں؟

اتباع ایک ایسا لفظ ہے جس کے متعدد مشتقات قرآن مجید میں آئے ہیں جن میں کئی مقامات تو وہ ہیں جو مَنْ ہی کے ساتھ آئے ہیں اور باقی دوسرے لاحقوں کے ساتھ۔ چونکہ یہاں لفظ مَنْ خصوصیت سے زیر بحث ہے اس لیے صرف چند ان مقامات کا جائزہ لیا جاتا ہے جن میں من ہی کے ساتھ تبعنی یا دوسرے مشتقات آئے ہیں۔

(۱) سورہ ابراہیم ع۳۶ میں حضرت ابراہیمؑ کا یہ قول نقل کیا گیا ہے: فَمَنْ تَبِعَنِی فَاِنَّہٗ مِنِّی ج وَمَنْ عَصَانِی فَاِنَّکَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝ یعنی "جو میری پیروی کرے گا تو وہ مجھ سے ہے (یا میرا ہے) اور جو میری نافرمانی کرے گا تو آپ (اللہ تعالیٰ) غفور ہیں اور رحیم (بھی)"۔ اس آیت میں ظاہر ہے کہ لفظ مَن جمع کے لیے آیا ہے یعنی "جو کوئی بھی" نہ کہ کسی شخصِ واحد خاص کے لیے اور جب جمع کے لیے آیا ہے تو کسی کے تابعِ تام یا عام ہونے کی گنجائش نہیں نکلتی۔ اگر یہ کہا جائے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف یہ قول منسوب نہیں ہے بلکہ ابراہیمؑ کا ہے تو اگلی آیت ملاحظہ کی جائے۔

(۲) سورہ آل عمران ع۲۰ میں ارشاد ہے: فَاِنْ حَآجُّوْکَ فَقُلْ اَسْلَمْتُ وَجْهِیَ لِلّٰہِ وَمَنِ اتَّبَعَنِ ط یعنی "اگر یہ لوگ (اہلِ کتاب) آپؐ سے حجت کرنے لگیں تو فرما دیجئے کہ میں تو اپنا رخ اللہ کی طرف کر چکا اور وہ (لوگ) بھی جو میرے پیرو (اتباع کرنے والے) ہیں"۔ اس آیت میں بھی صاف طور پر سمجھا جا سکتا ہے کہ جن سے مراد کوئی خاص شخصیت نہیں ہے بلکہ عام متبعین ہیں، لہٰذا تابع تام کی کوئی گنجائش نہیں نکلتی۔

(۳) سورہ انفال ع۶۴ میں حضورؐ کو مخاطب کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یٰۤاَیُّھَا النَّبِیُّ حَسْبُکَ اللّٰہُ وَمَنِ اتَّبَعَکَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ ۝ یعنی "اے نبی! آپ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے لیے اللہ کافی ہے اور (ان کے لیے بھی) جو مومنین میں سے ہیں اور جنھوں نے آپؐ کا اتباع کیا۔" اس آیت میں لفظ "مومنین" خود وضاحت کر رہا ہے کہ مَنْ خاص نہیں ہے لہٰذا اتابعِ تام کی گنجائش بھی نہیں۔

(۴) سورہ الشعراء ۲۱۵ میں بھی حضورؐ ہی سے مخاطبت ہے: وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ یعنی "(اے نبی) اُن (لوگوں) کے ساتھ (مشفقانہ) فروتنی سے پیش آئیے جو مومنین میں سے ہوں (اور) آپ کی اتباع کریں" اس آیت کی کم و بیش وہی نوعیت ہے جو اوپر سلسلہ ۳ والی آیت کی ہے۔

ایسی مزید آیات پیش کی جاسکتی ہیں لیکن مسئلہ کو سمجھنے کے لیے یہ مثالیں کافی ہیں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ لفظ مَنْ قرآن مجید میں اگر کہیں واحد شخص خاص کے لیے آیا ہے تو وہ سوائے ایک مقام یعنی سورہ المدثر ۱۱ کے جہاں تفاسیر کے مطابق ولید بن مغیرہ کی طرف اشارہ ہے، باقی اور تمام مقامات پر صرف اللہ تعالیٰ کے لیے آیا ہے۔ مثلاً مَنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وغیرہ ان کے علاوہ اور کہیں بھی مَنْ واحد کے لیے نہیں آیا ہے، ہر جگہ جمع ہی مراد ہے، لہٰذا کوئی وجہ نہیں کہ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِیْ کے مَنْ کو واحد قرار دے کر تابعِ تام کی گنجائش نکالی جائے۔

اب یہ دیکھنا باقی رہ گیا ہے کہ آیتِ زیرِ بحث سورہ یوسف ۱۰۸ کے دوسرے حصہ میں لفظ بصیرت یعنی یقینی واقفیت کس بارے میں ہے؟ اس کو سمجھنے کے لیے آیت کے پہلے حصہ پر اولاً غور کرنا ہوگا جو یہ ہے: هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ یعنی "(اے نبیؐ) کہئے یہ میرا راستہ ہے، میں اللہ کی طرف بلاتا ہوں (یا دعوت دیتا ہوں)" اس حصہ آیت میں هٰذِهٖ سَبِيْلِيْ سے مراد ایک تو یہ ہے کہ اللہ کی طرف بلانا یا دعوت دینا میرا راستہ یا میرا طریقہ ہے۔ لیکن اگر هٰذِهٖ کو ایسا اسم اشارہ مانا جائے جس کا مشارٌ الیہ سابق میں گزر چکا ہو جیسا کہ بعض دیگر آیات میں اس کی مثالیں ملتی ہیں تو هٰذِه سے مراد وہ دعوت الی اللہ بھی لی جاسکتی ہے جو حضرت یوسفؑ نے جیل میں بند رہنے کے زمانہ میں اپنے قیدی ساتھیوں کو مخاطب کر کے ان الفاظ میں دی تھی: يٰصَاحِبَيِ السِّجْنِ ءَاَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَيْرٌ اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ۝ یعنی "اے قید خانہ کے میرے دونوں ساتھیو! کیا متفرق معبود اچھے ہیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یا ایک اللہ جو زبردست ہے (اچھا ہے)؟" اس اعتبار سے بھی ھٰذِہٖ سَبِیْلِی کا اشارہ دعوت اِلَی اللہ ہی کی طرف نکلتا ہے۔ پھر پورا مطلب یہ ہوگا میرا راستہ اسی دعوت اِلَی اللہ کا راستہ ہے جو حضرت یوسفؑ کا تھا۔ تاہم چونکہ ھٰذِہٖ اشارہ قریب کے لیے ہی استعمال ہوتا ہے اس لیے پہلا مطلب اقرب الی الصواب ہے۔ اس سلسلہ میں یہ بھی سمجھ لینا چاہیے کہ فقرہ اَدْعُوْا اِلَی اللّٰہِ میں اللہ کی طرف دعوت دینے کا مطلب کیا ہے؟ کیونکہ اس فقرہ کو علیٰ بصیرۃٍ کے ساتھ جوڑ کر یہ مطلب نکالا جائے کہ دیدارِ خدا کی طرف دعوت دیتا ہوں، تو یہ دیکھنے کی ضرورت ہے کہ اللہ کی طرف دعوت دینے کا مطلب قرآن مجید کی دیگر آیات کی روشنی میں کیا ہے جن میں کسی نہ کسی پہلو سے دعوت الی اللہ کا ذکر آیا ہے۔ سورہ الرعد ۳۶ میں اللہ تعالیٰ نے نبیؐ کو اسی انداز میں مخاطب کرتے ہوئے جیسا کہ سورہ یوسف ۱۰۸ میں ہے، فرمایا: قُلْ اِنَّمَآ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰہَ وَلَآ اُشْرِکَ بِہٖ ؕ اِلَیْہِ اَدْعُوْا وَاِلَیْہِ مَاٰبِ ۝ یعنی "کہیے مجھ کو یہ حکم ہوا ہے کہ میں (صرف) اللہ کی بندگی کروں اور کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہراؤں، میں اُسی کی طرف بلاتا ہوں (یا دعوت دیتا ہوں) اور اسی کی طرف جانا ہے۔" اس آیت میں پہلے اللہ کی بندگی کرنے اور کسی کو اس کا شریک نہ ٹھیرانے کا حکم دیا گیا ہے، اس کے بعد اللہ کی طرف دعوت دینے کا ذکر ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ دعوت الی اللہ دراصل اللہ واحد کی بندگی کی دعوت ہے، نہ کہ دیدارِ خدا کی ۔ سورۃ القصص ۸۷ میں اگرچہ لفظ قل نہیں آیا ہے لیکن اوپر سے جو مضمون چلا آرہا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مخاطبت آپ ہی سے ہے۔ ارشاد ہے وَادْعُ اِلٰی رَبِّکَ وَلَا تَکُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ ۝ یعنی "اور (آپ) بلائیے (دعوت دیجیے) اپنے رب کی طرف اور مشرکین میں سے نہ ہو جائیے۔" اس آیت میں مشرکین کے عقیدہ کے خلاف دعوت دینے کا حکم دیا گیا ہے جو کئی خداؤں کی بندگی کے قائل ہوتے ہیں۔ تو گویا رب کی طرف دعوت دراصل توحید کی یعنی اللہ واحد کی بندگی کی دعوت ہے، نہ کہ دیدارِ خدا کی۔ سورۃ النور ۵۱ میں اہلِ ایمان کی صفت یہ بتائی گئی ہے کہ جب انھیں اللہ و رسول کی طرف بلایا جاتا ہے کہ ان کے درمیان (معاملات کا) فیصلہ کیا جائے تو وہ کہتے ہیں: "ہم نے سن لیا اور مان لیا۔" یہاں بھی اللہ و رسول کی طرف بلانے کا مطلب یہی نکلتا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے کہ اللہ تعالیٰ کی جناب میں سرِ تسلیم خم کیا جائے نہ کہ اس کا دیدار کیا جائے۔ (اسی سورہ کی آیت ۲۸ بھی دیکھ لی جائے) دیگر ایسی کئی آیات بھی ہیں جن میں اگرچہ براہِ راست ادعوا الی اللہ کے الفاظ نہ ہوں لیکن دعا (جو دعوۃ کا مادّہ ہے) کے مشتقات اللہ تعالیٰ کی نسبت سے آئے ہیں، ہر جگہ مفہوم اس کی بندگی کی طرف بلانے ہی کا نکلتا ہے، نہ کہ دید کی طرف بلانے کا۔ لہٰذا کوئی وجہ نہیں ہے کہ صرف ایک آیت زیرِ بحث ہی میں محض لفظ بصیرۃ کی بنا پر دید کا مفہوم پیدا کیا جائے، جب دید کے لیے قرآن مجید میں لفظ بصَر متعدد مقامات پر آیا ہے جس سے لفظ بصارت بنتا ہے نہ کہ بصیرۃ۔ بصیرۃ کو زیادہ سے زیادہ دل کی دید کہا جا سکتا ہے نہ کہ آنکھوں کی دید۔ دل کی دید کیا ہوتی ہے؟ اس کو ہم اُس فقرہ سے بھی سمجھ سکتے ہیں جو اردو زبان میں "علیٰ وجہ البصیرت" کے الفاظ میں استعمال ہوتا ہے جس کا مطلب وہی ہے جو سورہ القیٰمۃ کی آیت بَلِ الْاِنْسَانُ عَلٰی نَفْسِہٖ بَصِیْرَۃٌ کے سلسلہ میں اوپر بیان کیا گیا۔

آیتِ زیرِ بحث کا پہلا حصہ اس امر کی وضاحت کر دیتا ہے کہ پورا یقین اللہ واحد کی بندگی کے حق ہونے پر ہے۔ لہٰذا پوری آیت قُلْ ھٰذِہٖ سَبِیْلِیْٓ اَدْعُوْٓا اِلَی اللّٰہِ عَلٰی بَصِیْرَۃٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِیْ ؕ کا ترجمہ خواہ کسی بھی طرح کیا جائے، اس کا مفہوم یہ ہوگا: "کہئے، میرا راستہ یہ ہے کہ میں علیٰ وجہ البصیرت یعنی حق جانتے ہوئے اللہ کی بندگی کی طرف بلاتا ہوں۔ یہ نہ صرف میرا راستہ ہے بلکہ اس کا بھی جو میری پیروی کرنے والا ہو۔"

ایک نکتہ یہ پیدا کیا جاتا ہے کہ یقین کامل آنکھوں کی دید ہی سے حاصل ہوتا ہے۔ لیکن اس حقیقت پر غور نہیں کیا جاتا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مطالبہ ایمان بالغیب کا ہے، جس میں اللہ کی ذات پر ایمان کے علاوہ رسالت، آخرت و ملائکہ وغیرہ امور شامل ہیں۔ ایمان بالغیب کا ذکر قرآن مجید کے بالکل آغاز ہی میں کر دیا گیا ہے۔ یہ بات ہے بھی بڑی حکمت پر مبنی۔ ایمان بالغیب ہی کے ذریعہ وہ کردار بنتا ہے جو ایک مومن کے شایانِ شان ہوتا ہے۔ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایمان بالغیب حاصل نہیں تھا کہ آپؐ کو یہ ضرورت پیش آ گئی کہ اللہ تعالیٰ کی دید حاصل کریں اور اسی کی طرف دعوت دیں؟

ایک سوال یہ بھی پیدا کیا جا سکتا ہے کہ بصیرۃ کا جو بھی مفہوم لیا جائے کیا حضورؐ کی بصیرت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور آپؐ کے متبعین کی بصیرۃ یکساں ہو سکتی ہے کہ عَلیٰ بصیرۃٍ انا وَمَن اتبعَنی کہا گیا؟ اس سوال کا جواب یہ ہے کہ بصیرۃ کا کوئی خاص پیمانہ نہیں ہے جیسا کہ ایمانِ حقیقی کا بھی کوئی پیمانہ نہیں۔ حقیقی ایمان کے مدارج ہوتے ہیں۔ جن بزرگوں کا قول یہ ہے کہ ایمان نہ گھٹتا ہے اور نہ بڑھتا ہے وہ دراصل قانونی ایمان کی بات ہے، نہ کہ حقیقی ایمان کی۔ مطلب یہ ہے کہ ایک مسلمان خواہ وہ گنڈے دار نمازی ہو یا بے نمازی تو اس کے عائلی و معاشرتی حقوق میں کمی نہیں ہو جاتی۔ وہ اپنے نمازی اور متقی بھائی کے برابر ہی اپنی وراثت میں حصہ پانے کا مستحق ہو گا۔ متقی نہ ہونے کی بنا پر اس کے حصہ میں کمی نہیں ہو جائے گی۔ لیکن دونوں بھائیوں کے حقیقی ایمان کا درجہ جو کوئی بھی نہیں جان سکتا، اللہ تعالیٰ کی میزان میں الگ الگ ہو گا۔ اس کے علاوہ قرآن مجید میں ایسی کئی آیات بھی ہیں جن میں عام اہلِ ایمان کا ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہی کیا گیا ہے۔ مثلاً سورہ البقرہ ۲۸۵ میں فرمایا: 'اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَا اُنْزِلَ اِلَیْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ؕ یعنی مان لیا یا ایمان لے آئے رسولؐ اس چیز پر جو اُن پر نازل کی گئی اُن کے رب کی طرف سے اور مومنوں نے بھی مان لیا۔ کیا اس کا یہ مطلب لیا جا سکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایمان و اعتقاد عام اہلِ ایمان کے اعتقاد کے برابر ہے؟ ہرگز نہیں۔ دوسری مثال: سورۃ الانفال آیت ۶۴ ہے۔ اس میں فرمایا: یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ ۝ یعنی" اے نبیؐ آپ کے لیے اللہ کافی ہے اور (ان کے لیے بھی) جو مومنین میں سے آپؐ کی اتباع کرے۔" اس آیت میں تو صاف اتباع کا لفظ بھی آگیا ہے جو آیت ۱۰۸ سورہ یوسف میں ہے۔ ایسی مزید کئی آیات پیش کی جا سکتی ہیں۔ تو سمجھنا چاہیے کہ یہی کیفیت بصیرۃ کی بھی ہے، کسی کی کم کسی کی زیادہ، لیکن اسے بصیرۃ ہی سمجھا جائے گا۔ گویا آیتِ زیرِ بحث میں اگر مَنِ اتَّبَعَنِی کہا گیا ہے تو یہ ضروری نہیں ہے کہ ہر متبع کی بصیرۃ وہی ہو جو حضورؐ کی تھی۔ اس کے باوجود ہی سمجھا جائے گا کہ جو لوگ دعوت اِلیٰ اللہ کا کام کرتے ہیں، وہ علیٰ قدرِ عقولھم اپنی اپنی بصیرۃ ہی کے مطابق کام کرتے ہیں۔

مذکورہ تمام آیات سے نتیجہ یہی نکل رہا ہے کہ قرآن مجید کی رو سے بھی دنیا میں دیدارِ خدا ثابت نہیں ہوتا جب رویت باری تعالےٰ نہ عقلی اعتبار سے ممکن نظر آئے،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نہ احادیث کی روشنی میں ثابت ہو اور نہ قرآنی اعتبار سے تو پھر اس مسئلہ کی کیا اہمیت باقی رہ جاتی ہے۔ قرآن مجید میں ایسے عقائد کو جو حقیقت سے انحراف پر مبنی ہوتے ہیں، 'ظَن وَخَرص' کہا گیا ہے یعنی محض اٹکل پچو گمان۔ مادہ خ ر ص سے لفظ خرّاص بنتا ہے جس کے معنی ہیں بالکل جھوٹا۔ سورہ الانعام ۶/۱۱۶ میں کہا گیا ہے: اِنْ یَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا یَخْرُصُوْنَ ٥ یعنی وہ محض بے اصل خیالات پر چلتے ہیں اور بالکل قیاسی باتیں کرتے ہیں۔

دراصل 'دیدارِ خدا در دارِ دنیا' کے ڈانڈے مبالغہ آمیز تصوف سے ملتے ہیں جس میں شرک کا مفہوم، اس عام مفہوم سے بالکل الگ بنایا جاتا ہے جو قرآن و حدیث کی رُو سے سمجھا جاتا ہے۔ قرآن و حدیث والا شرک تو ظاہر ہے کہ اللہ واحد کے سوا کسی اور کو خدائی کا درجہ دینا ہے خواہ وہ کوئی اور بت جیسی چیز ہو یا گزرے ہوئے بزرگوں میں سے کوئی مقدس ہستی یا کوئی حکمراں جیسے فرعون و نمرود وغیرہ۔ اس تصورِ شرک کی ایک لطیف ترین صورت یہ بھی ہے کہ اپنی خواہشاتِ نفس کے تقاضوں کو اللہ تعالےٰ کے احکام اور اس کی رضا کے خلاف پورا کیا جائے تو یہ بات بھی شرک کے درجہ میں آجاتی ہے، جیسے قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے: مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوَاهُ ٥ یعنی جس نے اپنی ہوا نفس کو اپنا معبود بنا لیا۔ اسے شرک خفی بھی کہا جاتا ہے۔ لیکن مبالغہ آمیز تصوّف کے مطابق کسی بھی چیز کو حتیٰ کہ اپنی ذات کو اللہ تعالیٰ سے الگ سمجھنا شرک ہے۔ اس بات کو سمجھانے کے لیے کئی مثالیں دی جاتی ہیں۔ مثلاً یہ کہ پانی کی ایک حقیقت ہے مگر وہ کبھی بلبلہ کی شکل میں نظر آتا ہے تو کبھی موج کی شکل میں، موج اور بلبلہ صرف نام ہیں، ورنہ حقیقت میں وہ پانی ہے۔ دوسری مثال: کمہار مٹی سے برتن بناتا ہے تو کسی کا نام لوٹا رکھ دیتا ہے تو کسی کا صراحی اور کسی کا مٹکا وغیرہ جو صرف نام ہیں، لیکن ان سب کی حقیقت مٹی ہے۔ اسی طرح کی کئی اور مثالیں ہیں۔ ان مثالوں کے ذریعہ سمجھایا یہ جاتا ہے کہ کائنات میں جو کچھ ہم دیکھ رہے ہیں یہ سب محض نام ہیں جن کی کوئی ذاتی حقیقت نہیں۔ حقیقت صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کی ہے۔ آدمی اپنے آپ کو جو 'میں' کہتا ہے یہ سب وہم ہے۔ "میں" کچھ نہیں ہوں، جو کچھ ہے حقیقت میں اللہ کی ذات ہے۔ یہ تصوّر جب اپنی انتہا کو پہنچتا ہے تو ہر 'میں'

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

باقی نہیں رہتا۔ جو کچھ باقی رہتا ہے وہ اللہ ہی اللہ ہے۔ اسی بنا پر کہا جاتا ہے کہ "جو خدا ہو سو خدا کو دیکھے"۔ اسی تصورِ تصوف کے تحت ذکر اللہ کا جو طریقہ بتایا گیا ہے وہ بجائے لا اِلٰہ الا اللہ کے "اِلا اللہ تو ہے میں نہیں" ہے۔ یہ سب باتیں اگر کسی کی سمجھ میں آتی ہوں تو ٹھیک ہے، ورنہ ایک سیدھے سادھے مسلمان کے لیے یہ سب کچھ ایک معمہ سے کم نہیں۔

ادارۂ تحقیق و تصنیفِ اسلامی کی اردو مطبوعات

کتاب	مصنف	صفحات	قیمت
۱۔ معرکۂ اسلام و جاہلیت	مولانا صدرالدین اصلاحی	۲۱۶	۲۵/-
۲۔ غیر مسلموں سے تعلقات اور ان کے حقوق	مولانا سید جلال الدین عمری	۳۳۲	۱۰۰/-
۳۔ صحت و مرض اور اسلامی تعلیمات	"	۳۸۸	۱۰۰/-
۴۔ مسلمان عورت کے حقوق اور ان پر اعتراضات کا جائزہ	"	۲۰۰	۶۰/-
۵۔ اسلام میں خدمتِ خلق کا تصور	"	۱۷۶	۴۰/-
۶۔ اسلام اور مشکلاتِ حیات	"	۸۸	۸/-
۷۔ مذہب کا اسلامی تصور	مولانا سلطان احمد اصلاحی	۵۹۱	۱۰۰/-
۸۔ مشترکہ خاندانی نظام اور اسلام	"	۱۰۲	۲۰/-
۹۔ وحدتِ ادیان کا نظریہ اور اسلام	"	۱۹۲	۴۰/-
۱۰۔ آزادیٔ فکر و نظر اور اسلام	"		۴۰/-
۱۱۔ قرآن اہل کتاب اور مسلمان	ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی	۲۹۶	۷۰/-
۱۲۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام	"	۲۰۰	۴۰/-

ملنے کے پتے:-

مکتبہ تحقیق و تصنیفِ اسلامی، پان والی کوٹھی، دودھ پور۔ علی گڑھ۔ ۱

مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز۔ دعوت نگر۔ ابوالفضل انکلیو۔ نئی دہلی ۲۵

© rasailojaraid.com